معاشی ناہمواریوں کا اسلامی علاج

(نعیم صدیقی)

قسط دوم

سرکاری ملازمین کے معاوضے ہمارے نظام معاشی کی بڑی بڑی ناہمواریوں میں سرکاری ملازمین کے معاوضوں اور پنج نیچ کو اول درجے کی اہمیت حاصل ہے[1] تنخواہوں کا خوفناک تفاوت تنہا ہی نہیں پایا جاتا، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ملازمین میں ایک مہلک طبقہ بندی بھی کارفرما ہے، اوپر کے طبقے میں کبر و رعونت کا احساس پایا جاتا ہے اور نچلے طبقے کے کثیر التعداد ملازمین کے اندر احساسِ کمتری کا مرض پیدا کر دیا گیا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ایک حکومت کے کارکنوں کو مملکت اور عوام کی خدمت کے لئے ایک ٹیم کی طرح کام کرنے میں جس جذبۂ اخوت کی ضرورت ہوتی ہے، وہ مر چکا ہے ــــــــ اور ظاہر ہے کہ اگر آپ یہاں اسلامی حکومت قائم کرنے چلے ہیں تو اس صورتِ حالات کو باقی نہیں رکھا جا سکے گا، بلکہ اسے جلد از جلد بدل دینا ہوگا۔

موجودہ معاوضہ بندی میں بنیادی قباحتیں تین ہیں۔ پہلی خرابی یہ ہے کہ کم سے کم درجے کی جو تنخواہ طے کی گئی ہے، وہ ایسی نہیں ہے کہ جس میں ایک کنبے کا تو کجا ایک فرد کا گذارہ بھی ہو سکے۔ آخر کوئی ریاضی دان یہ بتلائے کہ ۳۵ روپیہ ماہانہ[2]

---

[1] حکومت چونکہ انسانی قوت (Man-Power) اور جنسِ محنت (Labour) کی سب سے بڑی گاہک ہوتی ہے، اس وجہ سے قدرتی طور پر محنت اور ملازمت کے معاوضوں کا جو بازاری نرخ (Market Rate) بنتا ہے اس پر حکومت کی اختیار کردہ شرح ہائے معاوضہ اور اصولِ معاوضہ بندی بہت ہی گہرا اثر ڈالتے ہیں۔ انسانی محنت کا منصفانہ نرخ کسی ملک میں صرف اسی صورت میں رائج ہو سکتا ہے جب کہ حکومت سب سے پہلے اپنی تنخواہوں کا نظام انصاف کے اصولوں پر عملاً قائم کر دے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں نظام معیشت کو رائج کرنے کیلئے تنخواہوں کی فوری اصلاح کو ہم لازم سمجھتے ہیں۔

[2] یہ تو گورنمنٹ کے ملازمین کے معاوضوں کی کم سے کم حد بندی ہے، اس کے مقابلہ میں ڈسٹرکٹ بورڈوں اور میونسپل کمیٹیوں اور کل ملیف گورنمنٹ کے ودیگر اداروں کے بعض ملازمین کی بنیادی تنخواہیں ۱۶ ــ ۱۷ اور ۲۰ ــ ۲۰ روپے بھی ہیں۔ یہ کھلا ہوا ظلم ہے

میں روٹی کپڑا، مکان اور دوا جیسی ضروریات ایک، دو، تین، چار، پانچ اور دس افراد کے کنبے کے لیے کیسے پوری ہو سکتی ہیں۔ پھر اس سے اوپر ۳۰۰، ۵۰۰، ۶۰۰ اور ... تک کے جو معاوضے پائے جاتے ہیں، ان کو چار پانچ افراد کے کنبوں کی کفالت کا ذریعہ کس حکمت سے بنایا جا سکتا ہے۔ جن کمیشن کے ممبران نے یہ ظالمانہ شرح بندی کی ہے، ہم اس کے ارکان سے سوال کرتے ہیں کہ کیا آپ ایک مہینہ اپنے گھر کا خرچ اسی رقم سے چلا کر دکھا سکتے ہیں؟ اگر اپنے گھر کا نہیں، تو کیا آپ ۷۵ روپیہ لینے والے کارکن کو کوئی ایسا بجٹ بنا کے دے سکتے ہیں کہ جس کے ذریعے اسے ۵۰۰ روپیہ کے مصارف ۷۵ روپیہ میں پورے ہو جائیں؟ اگر آپ کی معاشی معلومات میں ایسے کوئی چھو منتر نہیں ہیں تو پھر بتائیے کہ آپ خدا کے سامنے کیا جواب دیں گے، اور اگر آپ خدا کو نہ مانتے ہوں تو فرمائیے کہ آپ نے اپنے ضمیر کو کس طرح مطمئن کر لیا ہے؟

دوسری خرابی تنخواہوں کی شرح بندی میں یہ ہے کہ ایک کارکن کے کنبے اور اس کی معاشی ذمہ داریوں کا سرے سے کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا۔ ان حالات میں دیکھا جاتا ہے کہ ایک طرف ایک شخص فرد واحد ہو کر تین چار سو روپیہ ماہانہ لے رہا ہوتا ہے اور دوسری طرف دس افراد کا کنبہ پچاس روپے پر بسر ہو رہا ہوتا ہے۔

تیسری خرابی معاوضوں کے موجودہ سسٹم میں ظالمانہ تفاوت کا پایا جانا ہے۔ آج ہمارے ہاں کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ تنخواہ کی باہمی نسبت ۱:۵۰ کی ہے، بلکہ اگر لوکل سیلف گورنمنٹ کے اداروں کے کارکنوں کے معاوضوں کو دیکھا جائے تو تفاوت کا تناسب ۱:۱۰۰ ہو جاتا ہے۔ یعنی جو فرق ایک منزل کے مکان اور دو سو منزل کے مکان کو ایک ساتھ بنا کر محسوس کیا جا سکتا ہے، ٹھیک وہی فرق سرکاری ملازمین کے معاوضوں میں پایا جاتا ہے۔ یا یوں سمجھئے کہ ایک گاڑی وہ ہے جو ایک میل فی گھنٹہ چل رہی ہے اور دوسری گاڑی وہ جو ۵۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے متحرک ہے۔ تفاوت یقیناً ناگزیر ہے، لیکن اگر تفاوت اتنا زیادہ ہو جائے کہ اسلام کی خدمت کے لیے افسر و ماتحت اور اعلیٰ و ادنیٰ خادم ایک صف میں شانہ بشانہ کھڑے ہونے کے جذبے سے محروم ہو جائیں تو ایسا تفاوت ناقابل برداشت ہے۔

معاوضہ بندی کے ان تین مفسدات کی وجہ سے جو مہلک نتائج پیدا ہو رہے ہیں، ان کا ایک ہلکا سا تصور دلا دینا ضروری ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ پاکستان کو بنانے میں جن چھوٹے طبقوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے مثلاً مدرس، کلرک، کانسٹبل وغیرہ ... ایک صحیح اسلامی حکومت کی آزاد عدالت میں حکومت کا ایک کارکن اس قسم کے ظالمانہ معاوضہ کے خلاف تمام ہی استغاثہ دائر کر سکتا ہے اور عدالت یقیناً حکومت کے خلاف ڈگری دے کر اسے معقول معاوضہ دلائے گی۔

فوجی سپاہی اور سرکاری کارگاہوں کے مزدور وغیرہ جو پاکستان کی گاڑی کے لئے پہیوں کی حیثیت رکھتے ہیں ان میں حد درجہ کی بے اطمینانی پائی جاتی ہے اور مملکت کی خدمت گذاری کے لئے جس ولولہ کی ضرورت ہے وہ ان کے سینوں میں دم توڑ رہا ہے وہ یہ محسوس کر رہے ہیں کہ پاکستان کا وجود صرف ان بڑوں کے لئے ہے جو اس کے خزانے سے جتنا رس چاہتے ہیں آزادی سے نچوڑ لیتے ہیں اور اپنے سے نیچے کے کارکنوں کی حق تلفی کرنے کے لئے پورے اختیارات رکھتے ہیں۔۔ دوسری واضح خرابی یہ پائی جاتی ہے کہ معاوضوں کی کمی نے رشوت ستانی اور پبلک کے اموال میں خیانت کرنے کے دروازے چوپٹ کھلوا دیئے ہیں غریب ملازمین کے اندر جو اخلاقی قوت بددیانتی سے رکنے کے لئے کارفرما ہو رہی تھی اسے فقر و فاقہ نے آہستہ آہستہ کمزور کر دیا ہے۔۔ اس طرح رشوت ستانی اور خیانت پاکستان کے خزانۂ قوت کو مسلسل برباد کر رہی ہے جیسے دیمک کسی تخت طاؤس کو اندر ہی اندر سے چٹ کر جائے۔ تیسری خرابی یہ ہے کہ ملازمین حکومت غیر منصفانہ معاوضوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کے لئے بار بار ہڑتالیں کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور ان ہڑتالوں کی وجہ سے مملکت پاکستان کے خزانۂ قوت میں کمی واقع ہوتی رہتی ہے۔ چوتھی خرابی یہ پیدا ہو چکی ہے کہ افسروں اور عام کارکنوں میں نہ صرف یہ کہ اخوت کا تعلق سرے سے نہیں ہے بلکہ الٹا باہمی نفرت اور کشمکش کی صورت پیدا ہو چکی ہے۔ اور یہ پاکستان کے لئے فال نیک ہرگز نہیں۔ پانچویں خرابی یہ ہے کہ معاوضوں کے اس غلط سسٹم کا بہت مضر اثر سالہا سال سے پرائیویٹ فرموں اور اداروں کے ملازمین اور مزدوروں کے معاوضوں کے مارکیٹ ریٹ پر پڑ رہا ہے۔۔

ان حالات میں ہمارے ملازمین کمیونزم کے جراثیم کو قبول کرنے کے لئے پوری طرح تیار بیٹھے ہیں۔ چنانچہ فوج کی چھاؤنیاں، پولیس لائنز اور سول دفاتر کے ہر گوشے میں ان جراثیم کے انجکشن لگانے کی ایک خاموش مہم ملک بھر میں جاری ہے۔ اس مہم کو ناکام بنانے کی کوئی تدبیر اس کے سوا نہیں ہے کہ معاوضوں کا نظام اسلام کے منصفانہ اصولوں پر استوار کر دیا جائے۔

خلافت راشدہ میں معاوضہ بندی کا اصول خلافت راشدہ کے دور کی تاریخ کی چھان بین کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی نظام میں ملازمین حکومت کے معاوضوں کے تعین میں یہ خیال بھی رکھا جاتا تھا کہ کارکن کی قابلیت اور خدمت کی نوعیت کیا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھا جاتا تھا کہ اس کی ضروریات کیا ہیں اور اس کا کنبہ کتنا ہے۔

ابتدائی دور میں جب تک اسلامی انقلاب کی تکمیل کے لئے مخالف قوتوں سے جدوجہد جاری تھی تنخواہ داری

سرے سے نہ تھی بلکہ ہر شخص اپنے خرچ پر رضاکارانہ خدمات انجام دیتا تھا اور اگر اسٹیٹ کو کوئی آمدنی ہوتی بھی تو وہ کارکنوں میں تقسیم کر دی جاتی تھی لیکن بعد میں جب اسلامی ریاست پوری طرح قائم (establish) ہو گئی تو باقاعدہ معاوضہ بندی کر دی گئی۔ جس کی تفصیل دور عمر رضی اللہ عنہ کی تاریخ میں موجود ہے حضرت عمرؓ نے اپنی ایک تقریر میں تنخواہوں کے فرق مراتب کے وجوہ یوں بیان فرمائے ہیں:۔

ما احدٌ الا وله في هذا المال	تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کا حصہ اس خزانے
حقٌ اعطيه او منعه	میں نہ ہو خواہ یہ حصہ میں نے ادا کر دیا ہو یا روک رکھا ہو کوئی
وما احدٌ احق به من	اس خزانے میں بجز غلام کے کسی کے مقابلے میں بڑا
احد الا عبدٌ مملوكٌ و	حصہ دار نہیں ہے اور خود میں اس معاملے میں کوئی حیثیت
ما انا فيه الا كاحدكم	اس سے زیادہ نہیں رکھتا جو تم میں سے ہر ایک کی ہے
ولكنا على منازلنا من	لیکن اس خزانے کی تقسیم ملے ان درجات دائم
كتاب الله وقسمنا من	کے مطابق ہوگی جو کتاب اللہ اور رسول اللہ کے ذریعے
رسول الله صلعم	متعین ہیں۔ سو دیکھا جائے گا کہ
(۱) فالرجل وبلاؤه في الاسلام (۲) والرجل	۱۔ کسی شخص نے اسلام کے لئے کیا آزمائشیں جھیلی ہیں
وقدمه في الاسلام (۳) والرجل وغناؤه	۲۔ کسی شخص نے اسلام کے لئے کتنی سبقت کی ہے
في الاسلام (۴) والرجل وحاجته في الاسلام	۳۔ کوئی شخص اسلام کے حق میں کس درجہ کی [illegible] رہا ہے
ایک دوسرے موقع پر یہ کہہ ارشاد فرمایا:۔	۴۔ کسی شخص کی حقیقی ضروریات کیا ہیں؛
(۵) والرجل وعياله في الاسلام	۵۔ کسی شخص کا زیر کفالت کنبہ کتنا ہے۔

معمولی غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ معاوضہ بندی کے لئے بہترین منصفانہ اصول یہی ہو سکتے ہیں۔ اگرچہ تقریر مذکورہ بالا کی اصطلاحات اسلامی تحریک کے ابتدائی انقلابی دور سے متعلق ہیں لیکن اگر ان سے عام حالات کے لئے اشارات اخذ کئے جائیں تو معاوضہ بندی میں قابل لحاظ امور یہ ہوں گے کہ:

(۱) ایک شخص نے اسلامی حکومت کے قائم کرنے اور چلانے کی جدوجہد میں کیا حصہ لیا ہے اور کیسی خاص خدمات

انجام دی ہیں اور کن کن قربانیوں سے کام لیا ہے؟

(۲) ایک شخص نے اسلامی حکومت کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو علمی قابلیت، عملی مشق و تجربہ، اور فنی مہارت کے لحاظ سے تیار کرنے میں کتنی دماغی اور مالی قربانی دی ہے اور عمر کا کتنا حصہ صرف کیا ہے؟

(۳) ایک شخص کتنی مدت سے اسلامی حکومت کی خدمات انجام دے رہا ہے؟

(۴) ایک شخص کی خدمات کی نوعیت کیا ہے اور جسمانی اور دماغی مشقت اس میں کس حد تک پائی جاتی ہے؟

(۵) ایک شخص کی حاجات و ضروریات کیا ہیں؟

(۶) ایک شخص کا کنبہ کتنے افراد پر مشتمل ہے؟

ان تمام امور کا لحاظ معاوضہ و مزدوری مقرر کرنے میں اگر رکھا جائے تو ان کے مجموعے کا نام اصولِ کفالت ہے۔ خلافتِ راشدہ میں تنخواہیں اور معاوضے اسی اصولِ کفالت پر ادا ہوتے تھے۔ چنانچہ کسی ملازمِ حکومت کے کنبے میں جہاں ایک بچے کا اضافہ ہوجاتا اس کا وظیفہ بیت المال سے ادا ہونے لگتا۔ مہاجرین و انصار کی ازواج کو ... سے ... درہم تک کے نان نفقے ملتے تھے۔

پاکستان میں اس اصولِ کفالت کو نافذ العمل کرنے کے لئے ناگزیر ہے کہ ایک نیا پے کمیشن (Pay-Commission) مقرر کیا جائے جو اسلامی ذہنیت کے ساتھ معاوضوں کے نظام کی نظرِ ثانی کرے۔ ہر سرکاری کارکن کو اس کے افرادِ خاندان کے مطابق اس کی ... ضروریات فراہم کی جائیں، نیز اس کی اور اس کے اہل و عیال کی صحت کی ذمہ داری حکومت اپنے سر لے۔

ظالمانہ تفاوت کا خاتمہ: دوسری اصلاح جو معاوضوں کے نظام میں مطلوب ہے، وہ یہ ہے کہ ۱۲۰ تا ۳۰۰۰ کے ظالمانہ تفاوت کو ختم کیا جائے۔ کارکنوں کی صلاحیتوں، خدمات کی نوعیتوں اور مناصب کی ذمہ داریوں وغیرہ میں جو تفاوت قدرتی طور پر موجود ہے، وہ یقیناً معاوضوں میں ایک حد تک تفاوت پیدا کرتا ہے اور ایسا ہونا چاہئے۔ لیکن آج ... تفاوت اسلامی نظام کے تحت گوارا نہیں کیا جاسکتا۔

خلافتِ راشدہ میں بھی تفاوت موجود تھا اور بعض مناصب کے لئے خاص طور پر اچھے معاوضے بھی رکھے گئے تھے، لیکن وہاں اس امر کا اہتمام تھا کہ نیچے کے کارکنوں کا حق مار کر اوپر کے بڑے عہدہ داروں کو عیاشی کے سامان فراہم نہیں کئے

جاتے تھے بلکہ سب سے نیچے والے کو بھی اُتنا ضرور ملتا تھا جتنا ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لئے ضروری ہو۔
خلیفہ اول کے دور میں باقاعدہ تنخواہ دارانہ نظام نہیں تھا۔ خلیفہ دوم نے اسے قائم کیا اور ۲۰ھ میں جب باقاعدہ طور پر ملت اسلامیہ کے جملہ افراد کو سرکاری سپاہ قرار دے کر درج رجسٹر کرایا تو ان کے مستقل معاوضے مقرر فرمائے۔ ان معاوضوں سے زیادہ سے زیادہ کی مقدار ۵۰۰۰ درہم (موجودہ شرح کے حساب سے تقریباً ۲۵۰۰ روپیہ) اور کم سے کم مقدار ۲۰۰ درہم (۱۰۰ روپیہ) تھی۔ بعد میں جب اسلامی ریاست کے مالیات نے مزید ترقی کی تو ان تنخواہوں میں اور اضافہ کیا گیا۔ ایک طرف افسروں کی تنخواہوں کو ۱۲ ہزار درہم تک بڑھا گیا، اور دوسری طرف کم سے کم معاوضہ پانے والوں کو ۲۰۰ کے بجائے ۳۰۰ درہم دیئے جانے لگے گویا اسلامی نظام میں ایک ادنیٰ سے ادنیٰ چپراسی اور ہرکارہ اور سنتری بھی ۱۵۰ روپیہ ماہانہ پاتا تھا (بیوی بچوں کے لیے وظائف مزید برآں ملتے تھے) غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ خلافت راشدہ میں معاوضوں کا تفاوت ۱:۲۵ اور ۱:۴۰ کے اندر اندر قائم رہا ہے۔ اس کے مقابلے میں آج کے پاکستان میں تفاوت ۱:۲۰۰ کا ہے یعنی ۸ اور ۵ گنا!

یہ انصاف کی قطعی نفی ہے کہ ہماری حکومت کی گاڑی جن پہیوں پر چلتی ہے ان کو تو صد درجہ ناکافی معاوضے دیئے جائیں۔ لیکن پاکستان کے اس خزانے سے جسے ملک کے غریب لوگ اپنے خون پسینے کی ایک ایک بوند ٹپکا ٹپکا کر بڑی مشکلوں سے بھرتے ہیں، بڑے عہدہ داروں کو نہ صرف یہ کہ ساری ضروریات زندگی پوری کر کے دی جاتی ہیں بلکہ ان کی معصیت بھری تفریحات، ان کی عیاشیوں، ان کی کافرانہ عادات، ان کی غیر اسلامی مجالس کیف و سرود کے مصارف پورا کرنے کے لئے معاوضوں میں پوری طرح گنجائشیں رکھی جاتی ہیں۔ پاکستان کے غریب عوام کے بل پر شرابیں خریدی جاتی ہیں، کلب گھروں میں رقص و سرود کے ہنگاموں سے لذت اندوزی کی جاتی ہے، برج کھیلی جاتی ہے، گھوڑدوڑ میں روپیہ لگایا جاتا ہے، اپنی عورتوں کو تبرج جاہلیت سے آراستہ کر کے بے پردگی اور بے حیائی کی تبلیغ کے لئے میدان میں لایا جاتا ہے ـــــــ اور پاکستان کی گاڑی کے پہیے چلانے والے کلرک، سپاہی، کانسٹیبل، مزدور وغیرہ یہ خورد سال فرزندِ

لے سول محکموں میں سے صوبہ کے گورنروں کی تنخواہیں بھی ۵۰۰۰ درہم ماہانہ تھیں۔ بڑے درجے کے قاضیوں (ججوں) کی تنخواہیں جو خاص طور پر زیادہ رکھی گئی تھیں تاکہ دولت مادی کوئی رخنہ انصاف کے عمل میں پیدا نہ کر سکے ۵۰۰۰ درہم ماہانہ یعنی تقریباً ۲۵۰۰ روپے مقرر ہوئیں۔ قاضی سلیمان بن ربیعہ اور قاضی شریح کو یہی مشاہرہ ملتا تھا۔

کا معاوضہ حاصل کرنے میں اپنا خون خشک کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ گھس گھس کر اور گھل گھل کر ختم ہو جائیں۔

ایک اسلامی حکومت کے لئے لازم ہے کہ وہ پہلے اوپر کے افسروں کی نہیں، پہلے نیچے کے کارکنوں کی کم سے کم شرح کو اصول کفالت کے مطابق طے کرے کہ ایک کنبے کی گزر کے لئے کتنی رقم ناگزیر ہے، پھر بعد میں یہ دیکھا جائے کہ اوپر کے اعلیٰ کارکنوں کو خاص اضافے دینے کے لئے خزانہ کتنی گنجائش رکھتا ہے۔ نہ یہ کہ پہلے اوپر کے معاوضے مقرر ہو جائیں اور پھر خرچے میں جتنی استطاعت باقی رہے، نچلے ملازمین کی تنخواہیں اس کے مطابق ادا ہونے لگیں۔ صرف اس طریق سے تفاوت کو معقول اور جائز تناسب پر قائم کیا جا سکتا ہے۔

اکابرِ حکومت کے معاوضے اب تک عام ملازمین کے معاوضوں کے متعلق جو اشارات بیان کئے گئے ہیں، اسلامی نظام میں اکابرِ حکومت کا معاملہ ان سے بالکل الگ ہے۔ اکابرِ حکومت سے صدرِ حکومت، وزرا اور ارکانِ اسمبلی وغیرہ نظام ملک مراد ہیں۔ جدید جمہوری نظام میں ان عہدوں کے ساتھ بھاری تنخواہیں رکھی جاتی ہیں، لیکن اسلامی نظام میں ان مناصب کے لئے تنخواہ اور ملازمت کے تصور کو موجب توہین سمجھا جاتا ہے اور بجائے تنخواہ کے ضروریاتِ زندگی پورا کرنے کے لئے ایک اوسط درجے کے معیار کے مطابق وظائف مقرر کئے جاتے ہیں۔

خلافتِ راشدہ میں خلفا اور اہل شوریٰ نے گزارے کے وظائف سے زائد کبھی کچھ وصول نہیں کیا، بلکہ خلیفہ اول نے زندگی بھر جتنا وظیفہ لیا تھا، اسے بھی اپنے ترکے میں سے واپس بیت المال میں داخل کرنے کی وصیت کی۔ حضرت عمرؓ نے واضح طور پر اپنے وظیفہ کی حیثیت متعین کر دی کہ:۔

انما انا و مالکم کولی الیتیم	تمہارے بیت المال کے لئے میری وہی حیثیت ہے جو
ان استغنیت به استعفف	یتیم کے ولی کی ہوتی ہے۔ پس میں اگر غنی ہوں گا تو اس
و ان افتقرت اکلت بالمعروف	میں سے کچھ نہ لوں گا اور اگر ضرورت مند ہوا تو منصفانہ
	طریق سے کھاؤں گا۔

چنانچہ یہ منصفانہ معاوضہ جو اخراجات کا باقاعدہ حساب مرتب کر کے آپ نے مقرر فرمایا تھا ۸۰۰ درہم ماہانہ سے کم تھا۔ پھر اس پر احتیاط کی شدت کا یہ عالم تھا کہ بیت المال کا ذرا سا حق بھی اپنے اوپر آنے کے روادار نہ تھے اور اپنے اوپر اور گھر والوں پر اس معاملے میں حد درجہ کی سختی کرتے تھے۔ یہی مسلک حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اختیار کیا جنہیں خلافت

کے دور کے بیچ میں دو سال نئے سرے خلافت راشدہ کے احیاء کا موقع مل گیا تھا۔

لیکن آج "مالِ یتیم" کے والیوں کا یہ حال ہے کہ اپنے لئے ۵، ۱۰ ہزار روپیہ تک کی تنخواہیں مقرر کرتے ہیں، تنخواہوں سے بڑھ چڑھ کر سفر خرچ وصول کرتے ہیں، شاہانہ ضیافتوں اور دعوتوں کے لئے روپیہ صرف کرتے ہیں، ۴۰-۵۰ ہزار روپیہ کا فرنیچر استعمال کرتے ہیں اور اپنے مناصب خدمت کو باقاعدہ کمائی اور عیاشی کا ایک وسیلہ سمجھ کر اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

مدعا یہ نہیں کہ آج بھی معاوضہ عین دو درہم روزانہ ہی ہونا چاہئے۔ بلکہ موجودہ دور کے معیار تمدن کے پیش نظر ایک اوسط درجے کے شہری کی صاف ستھری شریفانہ مگر سادہ زندگی گزارنے کے لئے جتنا خرچ ناگزیر ہے، پاکستان کے صدر حکومت، اس کے وزراء اور اس کے ارکان اسمبلی کو صرف اسی پر اکتفا کرنا چاہئے۔ ورنہ مالِ یتیم کے والی سے عدالت خداوندی میں جتنا شدید محاسبہ ہونا ہے، اس سے ہزار گنا زیادہ شدید محاسبہ ایک اسلامی حکومت کے عمال برداروں سے ہوگا۔

اعلیٰ عہدہ داروں پر ایک اہم پابندی | موجودہ نظام میں اعلیٰ عہدہ داروں کو پوری چھوٹ ہے کہ وہ اپنی بڑی تنخواہوں کے بل پر نہایت درجہ ٹھاٹھ باٹھ کی زندگی بسر کریں اور اپنے مسرفانہ معیار زندگی کو عوام ملک اور ماتحت کارکنوں سے بالاتر ہو کے رہنے کے لئے ذریعہ بنائیں۔ بڑے افسروں کی اس آزادی سے کئی فتنے اٹھتے ہیں: اوّلاً ہر اونچا عہدہ دار اپنے دماغ میں رعونت کو پرورش دیتا ہے اور ماتحت ملازمین کو اور پبلک کے افراد کو تحقیر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ ثانیاً وزیروں، گورنروں، کمشنروں، محکموں کے ڈائرکٹروں اور دوسرے بڑے افسروں کا ٹھاٹھ باٹھ اس امر میں روک بن جاتا ہے کہ ماتحت ملازمین اور پبلک اپنی ضروریات اور شکایات کو ان تک پہنچا سکیں۔ ثالثاً بڑے افسروں کے ٹھاٹھ باٹھ کو دیکھ کر ماتحت کارکنوں میں اسراف کا ذوق بیدار ہونے لگتا ہے۔ ان کی تنخواہیں جب اس ذوق کی تسکین کے لئے کافی نہیں ہوتیں تو پھر وہ رشوت ستانی وغیرہ سے مدد لیتے ہیں۔ رابعاً حکومت کے اکابر اور عہدہ داروں کا مسرفانہ رویہ پوری پبلک کو اسراف کی ترغیب دلاتا ہے۔ ان سارے فتنوں سے بچنے کی واحد تدبیر یہ ہے کہ ارکانِ حکومت کو مجبور کیا جائے کہ وہ ٹھاٹھ باٹھ کی زندگی کو چھوڑ کر عام لوگوں کی طرح کا رہن سہن رکھیں اور خدا کے بندوں کو اپنے تک پہنچنے کے لئے سہولتیں بہم پہنچائیں۔

اس معاملہ میں بھی خلافت راشدہ کے دور مقدس سے ہمیں واضح قانونی رہنمائی ملتی ہے۔ جہاں تک نبی صلعم نے اپنے اسوۂ حسنہ سے ادارہ مذکورہ کی ایسی مستحکم روایات قائم کر دی تھیں جن سے روگردانی کرنے کی جرأت کسی کو نہ تھی۔ آنحضرت کے بعد آپ کے خلیفۂ اول نے ان روایات کی پوری طرح پاسداری کی یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے اسلامی حکومت کے ہر کارکن کے معیار زندگی کے متعلق ایک مستقل ضابطہ بنا دیا۔ آپ دور حاضر کے نظام حکومت کی Public-services-code کا موازنہ اس سے کریں تو ان میں عامۃ الناس کی زندگی کے خلاف واضح امتیازی احکام ملیں گے۔

ایک خطبہ میں حضرت عمرؓ نے عمال کو ہدایات دیں کہ۔

الا وانی لم ابعثکم امراء ولا جبارین	سن لو کہ میں نے تم کو حکمران اور سخت گیر بنا کے
ولکن بعثتکم ائمة الهدی یهتدی	نہیں بھیجا ہے بلکہ تمہیں ایسا رہنما بنا کر مقرر کیا
بکم فادروا علی المسلمین حقوقهم	ہے تاکہ لوگ تمہارے ذریعے ہدایت پائیں لہٰذا
ولا تضربوهم فتذلوهم ولا تحمدوهم	۱۔ مسلمانوں کے حقوق ادا کرو۔
فتفتنوهم ولا تغلقوا الابواب	۲۔ ان کو زد و کوب نہ کرو کہ وہ ذلیل ہو جائیں۔
دونهم فیاکل قویهم ضعیفهم	۳۔ ان کی بے جا تعریف نہ کرو کہ وہ فتنے میں پڑ جائیں۔
ولا تستاثروا علیهم فتظلموهم	۴۔ ان کے لئے اپنے دروازے بند نہ کرو کہ طاقتور کمزوروں کو کھا جائیں۔
	۵۔ ان کے مقابلے میں اپنے آپ کو ترجیح نہ دو کہ اس طرح ان پر ظلم کرنے لگو گے۔

اس خطبہ میں پانچ ہدایات دی گئی ہیں جن کی تفصیل ان ... جو حکام و عمال کے پروانۂ تقرری میں درج کی جاتی تھیں اور ... ان کی پابندی کے ... عہد لیا جاتا تھا۔ شرطیں یہ تھیں: ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہو گے، باریک کپڑے نہ پہنو گے، چھنا ہوا آٹا نہ کھاؤ گے، اور دروازے پر دربان نہ رکھو گے اور اہل حاجت کے لئے اپنے دروازے ہمیشہ کھلے رکھو گے۔

اس دور میں ٹھاٹھ باٹھ کی زندگی کے یہی مظاہر تھے اور ان کو اسلامی حکومت کے اعلیٰ عہدہ داروں کے لئے قانوناً ممنوع ٹھہرایا گیا تھا۔

چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعری جیسے جلیل القدر کارکن کے خلاف ایک مرتبہ دربارِ خلافت میں کچھ شکایات دیں تو ان میں سے ایک یہ تھی کہ ان کے پاس ایک لونڈی ہے جس کو ایسی غذا ملتی ہے جو عام مسلمانوں کو نصیب نہیں ہوتی۔[1] اتفاق سے باقی الزام غلط نکلے اور یہی ایک صحیح ثابت ہوا۔ عدلِ عمرؓ نے لونڈی ان سے الگ کرا دی۔

ایک مرتبہ عیاض بن غنم عاملِ مصر کے متعلق اطلاع ملی کہ وہ باریک کپڑے بھی پہنتے ہیں اور دروازے پر دربان بھی رکھتے ہیں۔ عاملِ موصوف کو مرکز میں پکڑ بلوایا گیا، عین اس حال میں کہ باریک لباس بدن پر موجود تھا۔ حضرت عمرؓ نے وہ لباس اتروا کر گاڑھے کا ایک کرتہ پہنوایا اور کہا کہ جاؤ تم جنگل میں بکریاں چراؤ، انسانوں پر حکومت کرنے کے تم اہل نہیں ہو۔ آخر صدقِ دل سے توبہ کرنے پر ان کو منصب پر بحال کیا گیا۔

اسی طرح کوفہ میں سعد بن وقاص نے اپنے لئے ایک عالیشان مکان بنوایا جس میں ڈیوڑھی بھی تھی۔ خلیفۂ ثانی کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے اس ٹھاٹھ کی تعمیر کو اہلِ حاجت کے لئے روک سمجھا اور محمد بن مسلمہ کو مامور کیا کہ جاؤ اس ڈیوڑھی کو جا کر آگ لگا دو۔ چنانچہ اس فرمان کی تعمیل ہوئی اور سعد وقاص چپکے بیٹھے دیکھتے رہے۔

آج کے دور کے لئے ان روایات سے جو چیزیں اخذ ہوتی ہیں وہ یہ ہیں کہ حکام و عمال کو سرکاری ڈیوٹیوں کی انجام دہی کے لئے تو اعلیٰ سے اعلیٰ ذرائع و وسائل مہیا ہونے چاہئیں، لیکن ان کو شخصی اور گھریلو زندگی کے معیار کو کبر اور اسراف کی حد تک بڑھانے سے قانوناً روکا جانا چاہیے۔ ایک مسلم مملکت کے حکام کا مقام یہ نہیں ہے کہ وہ قالینوں اور عمدہ فرنیچر کی جنتیں بسا کے بیٹھیں، نوکروں اور خادموں کے بیڑے بھرتی کریں، زندگی کے چند لمحے بسر کرنے کے لئے اونچے ایوان تعمیر کرائیں، اور لمبے چوڑے احاطے گھیر کر بیٹھیں، رقص اور سرود کے ہنگاموں سے لذت اندوز ہوں اور شرابیں پئیں، وہ سیر کو نکلیں تو ہزاروں کارکن مختلف انتظامات میں مصروف ہو جائیں، وہ جہاں قیام کریں وہاں پولیس کے پہرے ہوں اور سی، آئی، ڈی کے کارکن موہوم خطرات کو سونگھتے پھریں، وہ کسی سڑک سے گزریں تو وہ سڑک پبلک کے لئے حرام

[1] آج کتنے ہی کارکنانِ حکومت ایسے ہوں گے جن کے کتوں کو عام مسلمانوں سے کئی گنا بہتر غذائیں اور دوائیں ملتی ہوں گی، لیکن کوئی عمرؓ موجود نہیں جو اس صورتِ حالات کو بدل دے۔

ٹھہرا دی جائے وہ اگر کسی تقریب میں شریک ہوں تو ان کے لئے آرائشی دروازے نصب کئے جائیں، جھنڈیاں اور ریشم و مخمل کے تھان زمین پر بچھا دئے جائیں، وہ کسی مجلس میں تشریف لائیں تو نعرے لگائے جائیں اور خوشامدانہ سپاسنامے ان کی خدمت میں پیش کئے جائیں، اگر کوئی غریب حاجت مند ان سے ملنے کی کوشش کرے تو اسے روکنے کے لئے قدم قدم پر بیسیوں ہاتھ موجود ہوں کسی اسلامی حکومت کے کارکن اگر اس روش پر چلیں تو ان کو یقیناً سزا ملنی چاہئے۔

اس مصنوعی زندگی سے جب تک ہمارے حکام الگ نہ ہو جائیں، ان کے دماغوں سے کبر و نخوت کی بو نکل ہی نہیں سکتی جو غریب عوام اور ماتحت ملازمین کے لئے ان تک پہنچنے میں مانع ہوتی ہے اور جس کی وجہ سے مسلمانوں کے اندر اسلامی اخوت و مساوات کا احساس پیدا ہونے ہی نہیں پاتا۔ اسلامی نظام میں بہرحال کارکنان حکومت کے لئے کبر و نخوت اور اسراف و تبذیر کی زندگی بسر کرنے کا موقع مہیا نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ حکام کو کارکنوں اور پبلک سے الگ ایک عالم بالا میں رہنے کی اجازت دی جا سکتی۔

اسلامی حکومت اپنے عمال و حکام سے یہ چاہتی ہے کہ وہ اپنے ماتحت کارکنوں اور عام شہریوں کے لئے نہ صرف یہ کہ اپنے دروازے کھلے رکھیں، بلکہ ایک عام مسلمان کی طرح ان سے روابط قائم کریں، یہاں تک کہ خلیفہ دوم کے دور میں ایسے حکام و عاملین کو برطرف کر دیا جاتا تھا جو بیمار مسلمانوں کی عیادت کو نہ جائیں۔ پس جہاں اس طرزِ عمل کا کوئی موقع نہیں ہے جو آج رائج ہے کہ ہمارے اکابر حکومت اور حکام، عملاً نہ شہروں میں جا کر عوام سے ملیں جلیں، لوگوں کی مشکلات کو براہِ راست جا کر معلوم کریں، نہ اپنے دروازے ہر خاص و عام کے لئے کھلے رکھیں، بلکہ ان کو جن شکایات اور ضروریات کا علم ہو بھی جائے ان کے بارے میں اپنا فرض ادا کرنے پر اس وقت تک تیار نہ ہوں، جب تک کہ پریس اور اسٹیج سے ایک طوفان پبلک کی طرف سے بپا نہ کر دیا جائے۔

حقوقِ محنت کا تحفظ: معاشی ناہمواریوں کو پیدا کرنے والے اسباب میں سے ایک اہم ترین سبب صنعتی مزدوروں کی حق تلفی ہے۔ ہمارے صنعتی مزدوروں کا حال یہ ہے کہ وہ سرمایہ کے نخاس میں اپنے آپ کو بردے اور غلام بنا کر بیچتے ہیں اور نہایت ارزاں بیچتے ہیں۔ خریدنے والے ان ابنائے آدم کو خرید کر چوپایوں کی طرح استعمال کرتے ہیں جیسے کوئی شتربان بہت سے اونٹ پال لیتا ہے یا کوئی جمال گدھے خرید لیتا ہے اور پھر زائد روپیہ کمانے کو ان پر کم سے کم

صرف کرتا ہے۔ اور اپنے لئے زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کرتا ہے۔ بالکل اسی طرح ہمارے گرفتار انسانوں کے گلے سے گلے بال کر ان کو کمائی کا ذریعہ بناتے ہیں اور پھر اس کمائی میں وہ کم سے کم حصہ ان پر صرف کرتے ہیں جو انہیں ان کی خدمات کے لئے زندہ رکھے۔

مارکس نے کتاب سرمایہ میں نظریہ قدر زائد (Surplus value-theory) کی روشنی میں سرمایہ داری کے ظلم کی جو حقیقت واضح کی ہے، وہ بجائے خود ایک حقیقت ہی ہے۔ اگرچہ اس کی تعبیر میں مارکس کی نگاہ بھٹک گئی ہے۔ وہ مصنوعات (Comodities) کی ساری قدر (Value) کو محنت (Labour) کا نتیجہ شمار کرتا ہے حالانکہ در اصل سرمایہ و محنت دونوں کے باہمی تعاون سے مصنوعات اور ان کی قدر نمودار ہوتی ہے اور یہ دونوں منافع کے والدین ہیں۔ ان میں کوئی ایک تنہا نہ مصنوعات کو وجود دے سکتا ہے، نہ قدر کو، نہ منافع کو۔ ظلم جو کچھ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ سرمایہ اپنے غلبہ کی وجہ سے محنت کا حق مارے جاتا ہے اور اسے شریک کار کی حیثیت دینے پر تیار نہیں ہوتا۔ اس ظلم کو مارکس نے واضح کرنے کے لئے مبالغہ آمیز طریق استدلال استعمال کیا ہے۔

مارکس کے فلسفہ میں زیادتی موجود ہے یا نہیں۔ نظام سرمایہ داری میں مزدور پر بہر حال زیادتی ہوتی ہے اور اس زیادتی کے چند نمونے یہ ہیں

(۱) مزدوروں کے معاوضے بالعموم ان کی ناگزیر ضروریات پورا کرنے سے بھی کم رہتے ہیں۔

(۲) ان کو اپنی طبعی قوت کارکردگی سے زیادہ وقت کام کرنا پڑتا ہے۔

(۳) بعض کام مزدوروں کی صحت کو مستقلاً تباہ کرتے ہیں اور کبھی ان کے بعض اعضا ضائع ہو جاتے ہیں۔

(۴) ان کو رہنے کے لئے تنگ اور مضر صحت مکانات فراہم کئے جاتے ہیں۔

(۵) ان کو بیماری میں علاج کی سہولتیں بہم نہیں پہنچتیں۔

(۶) ان کے بچے تعلیم و تربیت سے محروم رہتے ہیں۔

حکومت پر چونکہ سرمایہ داروں کا قبضہ ہوتا ہے، اس لئے قانون اور اجتماعی ماحول دونوں ان حالات کو قائم رکھنے کا پہرہ دیتے رہتے ہیں۔ چنانچہ دنیا کے مزدوروں کو مجبور کر دیا گیا ہے کہ وہ تنظیم کی قوت سے سرمائے کے خلاف خونی جنگ لڑیں اور اپنے حقوق وصول کریں لیکن اسلامی شریعت میں حکومت چونکہ سرمایہ و محنت

میں تعاون اور توافق پیدا کرنے کی ضامن ہے اور محنت کے حقوق اصولی حیثیت سے مقرر ہیں۔ اس لئے نظام اسلامی طبقاتی تصادم سے پاک رہتا ہے۔

ہمارے پاکستان میں مزدور کی آج جو حق ماریاں ہو رہی ہیں، ان کو اسلام جاری رہنے نہیں دے سکتا، کیونکہ یہ مزدور کی حق ماریاں نہیں، خود اسلام کی حق ماریاں ہیں:

مزدوروں کو جو لوگ آج جانوروں کی طرح استعمال کر رہے ہیں، انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ شارع علیہ السلام نے جانوروں کے لئے بھی جو حقوق مقرر کئے ہیں، وہ بھی ان حقوق سے زائد ہیں جنہیں نظام سرمایہ داری نے انسانوں کو عطا کیا ہے۔ جانوروں کی خدمات سے استفادہ کرنے والوں سے نبی صلعم نے یہ چاہا ہے کہ:

(۱) جانور سواری کرتے وقت تر و تازہ ہوں اور کام لینے کے بعد تر و تازہ حالت ہی میں ان کو کھول دیا جائے۔

(۲) ان کے چارے، پانی اور جگہ کا مناسب انتظام کیا جائے۔

(۳) ان کو لعنت نہ کی جائے اور بے جا مارا نہ جائے۔

صرف اول الذکر ہدایت ہی کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو اس میں بہت سی باتیں شامل ہیں۔ جانور تر و تازہ جبھی ہو سکتا ہے کہ اس کے بدن کی ضروریات پوری کی گئی ہوں اور اس پر اس کی قوت سے زائد بار نہ ڈالا گیا ہو، پھر تر و تازہ حالت پر چھوڑ دینے کے معنی ہی یہ ہیں کہ اعتدال سے خدمت لی جائے۔

پھر نبی صلعم نے ایک عورت کو محض اس بنا پر دوزخ کا مستحق بنایا کہ اس نے ایک بلی کو باندھ رکھا تھا لیکن اسے کھانے پانی سے محروم رکھا۔ سوال یہ ہے کہ وہ لوگ جو انسانوں کی زندگیاں سرمائے کے کھونٹے سے باندھ رکھتے ہیں اور پھر ان کو اور ان کے بچوں کو نیم فاقہ کی حالت میں مبتلا رکھتے ہیں، ان کا ٹھکانا کہاں ہوگا؟ جس خدا کو اپنی پیدا کی ہوئی ایک بلی کا بھوکوں مرنا سخت نامرغوب ہے، اس کے ہاں اپنے پیدا کئے ہوئے انسانوں کی فاقہ مستیوں پر کتنا غضب ہوگا، اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ جس نبی نے جانوروں پر ان کی قوت سے زیادہ بار ڈالنے کو ممنوع ٹھہرایا ہے اور ان کو تر و تازہ رکھنے کا حکم دیا ہے، اس کی شریعت میں انسانوں کی قوت و صحت کا کیا کوئی لحاظ نہ ہوگا؟ یقیناً ہے۔

چنانچہ غلاموں اور خادموں کے حقوق کی جو تفصیلات احادیث میں مذکور ہیں، ان سے آج مزدور طبقے کے حقوق کو متعین کیا جا سکتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

(۱) عن ابی ھریرۃ، قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے
للمملوک طعامہ وکسوتہ	فرمایا غلام و خادم کے لئے خوراک اور لباس چاہئے۔ اور اس
ولا یکلف من العمل ما لا یطیق	پر ایسے کام کا بار نہ ڈالا جائے جس کی وہ قوت نہ رکھتا ہو۔

۲۔ معرور بن سویدؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوذرؓ سے ان کی ملاقات اس حال میں ہوئی کہ وہ اور ان کا خادم دونوں ایک سی بردیمانی قیمتی قسم کی چادریں اوڑھے ہوئے تھے۔ معرور بن سویدؓ نے اس صورت واقعہ کو دیکھ کر حضرت ابوذرؓ سے خادموں کے بارے میں سوال کیا۔ آپ نے جواب میں نبی صلعم کا یہ ارشاد نقل کر دیا کہ:-

"ھم اخوانکم وخولکم جعلھم اللہ	یہ لوگ تمہارے بھائی اور خادم ہیں، انہیں اللہ نے تمہارے
تحت ایدیکم فمن کان اخوہ تحت	زیر نگین کیا ہے پس جس شخص کے زیر نگین اس کے کسی بھائی
یدہ فلیطعمہ مما یاکل ولیلبسہ	کو کر دیا گیا ہو، اسے چاہئے کہ وہ جیسا کچھ خود کھاتا ہے اسے
مما یلبس ولا تکلفوھم من العمل	کھلائے جیسا خود پہنتا ہے اسے پہنائے اور ان پر زیادہ
ما یغلبھم فان کلفتموھم فاعینوھم	محنت کا کام نہ ڈالو، مگر مجبوراً ڈالو تو پھر ساتھ ہو
علیہ (التحفۃ الانسانی)	کر خود ان کی مدد بھی کرو۔

اس میں شک نہیں کہ یہ احکام غلاموں کے بارے میں خصوصیت سے تھے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا آج کے مزدور "اخوانکم" کی تعریف میں نہیں آتے؟ کیا "جعلھم اللہ تحت ایدیکم" کی صفت ان میں بھی نہیں ہے؟ کیا ان پر ان کی قوت سے زیادہ بھاری کاموں کا بار ڈالنا چاہئے؟ ...... اگر نہیں تو پھر طعام اور لباس کے بارے میں یہی اصول یہی ہو سکتا ہے کہ ان کو بھی اپنی طرح اوسط درجے کی صالح غذا اور صاف ستھرا لباس فراہم کرنا ضروری ہے ——— اور ان کے معاوضے ایسے ہونے چاہئیں۔ کہ ان کے بل پر بھلی زندگی گذار سکیں۔

۳:- بخاری، ابوداؤد، و ترمذی کی روایت ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا:-

اذا اتى احدكم خادمه بطعامه	اگر تم میں سے کسی کا خادم اس کے لئے کھانا تیار کر کے لائے
فان لم يجلسه معه فليناوله	، سو خادم کو اپنے ساتھ کھانے کے لئے بٹھائے تو کم سے
لقمة او لقمتين او اكلة او	کم ایک دو لقمے تو اسے کھلا دے ۔۔۔ کیونکہ اس نے
اكلتين فانه ولي حره وعلاجه	گرمی اور پکانے کی تکلیف گوارا کی ہے۔

یعنی خادم یا ملازم نے جو کھانا آقا کے لئے پکایا ہو اس میں سے اسے بھی حصہ ملنا چاہئے ۔۔۔ معاملہ کے دوسرے پہلو چاہے کچھ ہوں، ورنہ بالعموم خدام خیانت کا دروازہ کھول لیتے ہیں۔ اس حدیث سے ایک اشارہ بعید یہ ملتا ہے کہ کسی کارندے سے اگر ضروریات زندگی میں سے کسی کی تیاری کا کام لیا جا رہا ہو تو خود اُس کارندے کی وہ ضرورت اَنچھی نہ رہنی چاہئے بلکہ اپنی محنت سے تیار کردہ مصنوعات میں سے اسے بطور عطیہ و ہدیہ کے کچھ نہ کچھ حصہ ملنا چاہئے۔ یہ حدیث جس اخلاقی رجحان کو ابھارنا چاہتی ہے، اس کی اہمیت سرمایہ دارانہ نظام میں بھی کچھ نہ کچھ ملحوظ رکھی جاتی ہے مثلاً مدرسین کے بچوں سے تعلیم کی فیس نہیں لی جاتی یا ریلوے ملازمین کو سفر کی سہولتیں دی جاتی ہیں، اسی طرح بعض صنعتی کارخانوں میں مزدوروں کو وہاں کی مصنوعات ارزاں نرخوں پر دی جاتی ہیں، وغیرہ!

یہ بہرحال ظلم ہے کہ ایک مزدور دنیا جہان کے لوگوں کے لئے کپڑا بنتا رہے اور خود اس کا تن نہ ڈھکے، ایک کارخانے کے کارکن کروڑوں ابنائے نوع کے لئے کونین کی ٹکیاں بناتے رہیں، لیکن خود ان کے بچوں کو ملیریا سے بچنے کے لئے کونین نہ ملے۔ اخلاقاً چاہیے یہی کہ ہر کارخانے کے مزدوروں کو ان کی مصنوعات میں سے کچھ حصہ بطور ہدیہ ملے یا کم سے کم ارزاں نرخوں پر حاصل ہو۔ یہ مسلکِ احسان اجیر اور مستاجر کے درمیان قرب اور محبت کو بڑھانے والا ہے اور اسی وجہ سے اسلام کی نگاہ میں پسندیدہ ہے۔

۴ نبی صلعم نے یہ چاہا ہے کہ غلاموں اور خادموں کو ایک ایک دن میں ان کے ستر ستر قصوروں پر معافی دی جائے

(۵) ابو داؤد و نسائی کی روایت ہے کہ:

امر رسول الله صلعم يوما بالصدقة	ایک دن نبی صلعم نے صدقے کی نصیحت کی۔
فقال رجل يا رسول الله عندي دينار	ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے پاس ایک
قال تصدق به على نفسك قال عندي	دینار ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اپنی جان پر صدقہ کر۔ اس

اخر قال تصدق به علی ولدک قال عندی اخر قال تصدق به علی زوجتک قال یا رسول الله عندی اخر قال تصدق به علی خادمک قال عندی اخر قال انت ابصر به۔

نے کہا کہ ایک اور دینار بھی ہے۔ آپ نے فرمایا اپنے بچے پر صرف کر اس نے کہا ایک اور بھی ہے آپ نے فرمایا اپنی بیوی پر صرف کر اس نے کہا میرے پاس اور دینار بھی ہے آپ نے فرمایا کہ اپنے خادم پر صرف کر اس نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ میں ایک اور دینار بھی رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اس کے بارے میں تو خود ہی فیصلہ کر لے!

اس روایت کی تعلیم یہ ہے کہ آدمی کو اپنی ذات اور اہل وعیال کے بعد اپنے خادموں ملازموں اور مزدوروں کے حقوق پورے کرنے چاہییں اور اس کے صدقات کے لئے یہی لوگ سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ دوسرے لفظوں میں کارخانہ داروں کے کاروباری اور گھریلو اموال کی زکوٰۃ اور ان کے دوسرے صدقات خود ان کے مزدوروں پر صرف ہونے چاہییں۔

(۷) حضرت عمرؓ کے اسوہ میں بھی ایک مثال بنامی مزدوروں کے بارے میں ملتی ہے آپ نے ایک بوڑھے ذمی کو گداگری کرتے دیکھا تو آپ کو رنج ہوا اور آپ نے فرمایا کہ یہ ہمارے لئے ٹھیک نہیں ہے کہ ایک شخص کی جوانی کے زمانے میں تو ہم (ذمہ ٹیکس کی صورت میں) اس سے فائدہ اٹھائیں لیکن بڑھاپے (معذوری) کی حالت میں اسے ذلت وخواری میں چھوڑ دیں چنانچہ آپ نے بیت المال سے اس کا وظیفہ مقرر کر دیا۔

یہاں سے یہ بنیادی اصول ملتا ہے کہ جس شخص کی جوانی اور صحت کی حالت میں کوئی اس سے فائدہ اٹھا رہا ہو اس پر اگر بڑھاپے یا معذوری یا بیماری کی حالت طاری ہو جائے تو استفادہ کرنے والے کا فرض ہے کہ وہ اس کی کفالت کرے۔ شارع کی ان ہدایات کو اگر ملحوظ رکھ کر اصول طے کیے جائیں۔ حقوق محنت یہ قرار پاتے ہیں۔

ا۔ ایسا معاوضہ دیا جانا چاہئے جو نہ صرف ان کے جسم وجان کا رشتہ ہی برقرار رکھے بلکہ ان کی صحت اور تروتازگی کو بھی بحال کرے۔

ب۔ رہن سہن کے ایسے انتظامات مزدوروں کو فراہم کرنے چاہییں جو ان کے کنبے کی صحت کے لیے تباہ کن

نہ ہوں۔

ج۔ بیماری میں ان کے معالجہ کا انتظام ہونا چاہئے ۔۔۔۔ ورنہ تروتازگی کیسے رہے گی۔

د۔ ان سے ایسا اور اتنا کام لینا چاہئے جس سے ان کی صحت نہ گرے اور ان کی قوت کارکردگی ضائع نہ ہو۔

ہ۔ ان کی کوتاہیوں پر سختی کرنے کے بجائے نرم اور فیاضانہ سلوک کرنا چاہئے۔

س۔ جو مصنوعات ان کی [illegible] سے تیار ہوں ان میں سے کوئی حصہ ان کو ہدیہ کیا جائے یا ارزاں دیا جائے۔

ص۔ [illegible] کے صدقات کو صرف مزدوروں کی تعلیم، ان کے معالجہ، ان کی ناگہانی ضروریات، ان کے بچوں کی ترتیب وغیرہ پر صرف ہونا چاہئے۔ نیز قربانی، صدقہ فطر اور کفارہ [illegible] کے اولین مستحق بھی یہی لوگ ہیں۔

ط۔ بیماری [illegible] اور بڑھاپے اور ناکارگی کی حالت میں پنشنیں ملنی چاہئیں۔

ان اصولوں کی روشنی میں آج اسلامی حکومت کو [illegible] سرمایہ اور محنت کو [illegible] منصفانہ طریق سے حقوق محنت [illegible] کے تحفظ کے لئے ایک ضابطہ مرتب کرنا ہوگا تاکہ اگر کسی کی حق تلفی ہو جائے تو وہ اپنا حق حکومت کی مدد سے بھی وصول کر سکے۔

بڑے کارخانوں میں جہاں (مثلاً ۵۰۰ سے زیادہ کارکن کام کرتے ہوں) حکومت یہ لازم ٹھہرا سکتی ہے کہ وہاں سرکاری نقشے کے مطابق مکانات بنا کر مزدوروں کی بستی بسائی جائے، وہاں سرکاری اسکیم [illegible] کے مطابق ایک مدرسہ اور ایک ہسپتال قائم کیا جائے اور ان کا انتظام اگرچہ حکومت کے ہاتھوں میں ہو لیکن ان کے مصارف [illegible] کارخانے سے وصول کئے جائیں۔ چھوٹے کارخانوں اور عام ملازمتوں [illegible] تعلیم کے مصارف [illegible] کام لینے والوں کے ذمے ڈالے جائیں ۔۔ الا یہ کہ وہ استطاعت نہ رکھتے ہوں اور حکومت ان کی جگہ بیت المال سے روپیہ صرف کرے۔ اس کے ساتھ ساتھ اگر مزدوروں کی سوسائٹی [illegible] اسلامی [illegible] اخلاق کے ذریعے منظم کی جائے [illegible] اسلامی اخوت کے [illegible] رابطہ استوار [illegible] تو موجودہ ناہمواریوں [illegible] حقیقی تصادم [illegible] جائے۔

ایسے کارخانہ دار جو حکومت کی [illegible] کے مطابق [illegible] مزدوروں سے مسلسل [illegible] کریں ان کے کارخانوں کو ایک مقررہ مدت کے لئے حکومت کی تحویل میں لینے کا ضابطہ بھی [illegible]

ہونا چاہیے جس کے تحت ان کو اسلامی اخلاق اور احترامِ حقوق اور ذمہ داری کی تربیت دی جا سکے۔

مزدوروں کے لئے بیت المال کی پشت پناہی

اسلامی حکومت کے تحت مزدوروں کو اپنی محنت ارزاں نرخوں اور گھٹیا شرائط پر بیچنے سے بچنے کا بہترین ذریعہ بیت المال کی پشت پناہی ہے۔ بیت المال زکوٰۃ اور صدقات اور فے اور غنیمت کی بے حساب دولت لئے ہوئے جب اہلِ محنت کی مدد کو موجود ہو کہ اگر وہ بے روزگار یا معذور ہوں گے تو ان کی اپنی حکومت ہمہ تن ان کی کفالت کے لئے موجود ہے تو محنت کا نرخ بہرحال چڑھ جائیگا اور ان کو جانوروں کی سطح پر آکر سرمایہ داروں سے معاملہ کرنے کی مجبوری سے نجات مل جائے گی۔ اس صورت میں وہ ہڑتالوں اور احتجاج کے مظاہرات کو زیادہ مدلل اور دلنشین بنا سکیں گے اور سرمایے کی قوت کا زیادہ مضبوطی کے ساتھ مقابلہ کر سکیں گے ...... [illegible] کی ضرورت ایک تربیت یافتہ سوسائٹی میں پیش نہیں آ سکتی۔

حکومت ایسے انتظامات بھی کر سکتی ہے کہ وہ ہر کارخانے کے کارکنوں کے مشاورتی بورڈ مرتب کرائے اور پھر ان بورڈوں کا ایک مرکزی ادارہ موجود ہو جس میں ہر صنعت کے مخصوص مسائل اور اس کے مزدوروں کی ضروریات کے بارے میں اصلاح و ترقی کی مختلف اسکیمیں مرتب ہوں اور سرمایہ و محنت کے تعاون کو نشوونما دینے کے لئے پروگرام بنیں اور وہ اسلامی نظامِ حکومت کی مجلس شوریٰ کے سامنے سفارشات کی صورت میں پیش ہوں۔ اس طرح محنت کی حق ماریوں کا بآسانی خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔

ان ساری تدابیر میں یہ احتیاط ضروری ہے کہ اہلِ سرمایہ اور اہلِ محنت کے درمیان کسی طرح کی طبقاتی تقسیم کا وجود نہ تو تسلیم کیا جائے اور نہ اسے فروغ پانے میں مدد بہم پہنچائی جائے۔ امت کی وحدت کو اصولاً ایک حقیقت قرار دے کر اسی کو فروغ دینا پیش نظر ہو۔ ورنہ اصلاح شدہ بجائے الٹا بگاڑ پیدا ہو سکتا ہے۔ (باقی آئندہ)